تفسیر
سورۂ کافرون

سُورَةُ الْكٰفِرُوْنَ

مَكِّيَّةٌ — ایات: ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶

کہہ، اے کافرو! نہ میں پوجتا ہوں جسے تم لوگ پوجتے ہو۔ اور نہ تم پوجتے ہو جسے میں پوجتا ہوں اور نہ میں پوجنے کا جسے تم لوگ پوجتے آئے۔ اور نہ تم لوگ پوجنے کے جسے میں پوجتا ہوں تمھیں تمھارا دین اور مجھے میرا دین۔

۱۔ سُورہ کا تعلق ما قبل سے

سورہ کوثر میں مسلمانوں کو فتح و غلبہ کی بشارت اور اس امر کی خوشخبری دی گئی ہے کہ ان کے دشمنوں کا تعلق اسلام کے شجرۂ مبارکہ سے یک قلم کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد یہ سورہ رکھی گئی ہے جس میں کفار سے قطع تعلق کا اعلان کیا گیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی سورہ کی تفسیر سے واضح ہوگی۔

۲۔ یہ جنگ اور برأت کی سُورہ ہے

یہ سورہ کفار سے علیحدگی اور قطع تعلق کی سورہ ہے۔ اس وجہ سے اس کو سورۂ برأت کی طرح ہجرت اور جنگ کی سورہ سمجھنا چاہیے۔ سورہ برأت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی اور یہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ سورۂ برادت کا صرف ابتدائی حصہ اعلانِ برادت ہے اور یہ پوری کی پوری اعلان برأت ہے۔ سلف نے بھی اس سورہ کی حقیقت یہی سمجھی ہے۔ چنانچہ اس کے مختلف ناموں سے جو منقول ہیں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔

اس سورہ کا نام سورہ منابذہ، سورۂ اخلاص اور سورہ مقشقشہ ہے۔ لسان العرب میں ہے" احادیث میں وارد ہے کہ سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کا نام مقشقشان تھا۔"

مختصراً مذکورہ ناموں کی تشریح سن لینی چاہیے۔ اس سے اس سورہ کی صحیح تاویل کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

منابذہ کا مطلب ہے کسی سے تمام تعلقات کو کاٹ لینا۔ قرآن میں ہے فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ (تو تم بھی ان کے معاہدہ کو ان کے منہ پر پھینک مارو)

اخلاص کے معنی ہیں مومنین کو مشرکین سے علیحدہ کرنا۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔

اور تاکہ اللہ مومنین کو چھانٹ لے اور کافروں کو مٹا دے۔

یہی چیز انبیاء کی بعثت کا اصلی مقصود ہے۔ تفصیل اس کی آگے آئے گی۔

اخلاص کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اخلاصِ باطن، اخلاص ظاہر کا سبب بنتا ہے۔ اخلاص باطن کی جڑ توحید ہے، اس وجہ سے توحید ہی مشرکین سے علیحدگی کی اصلی علت ہوگی۔ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

مقشقشہ، وہ سورہ جو قربِ صحت اور نجاست شرک سے علیحدگی کی خبر دے رہی ہو۔ تقشقشہ کے معنی ہیں ظہور صحت کے چیچک اور زخم وغیرہ کے اچھے ہو جانے کے بعد جب جلد سوکھ جاتی ہے تو اس کی تعبیر کے لیے عربی میں یہی لفظ ہے۔

غور کرو کہ یہ لفظ برأت کی حقیقت کی تعبیر کے لیے کس قدر موزوں ہے۔ ہجرت، برأت اور جنگ بظاہر نہایت گھناؤنی اور مکروہ چیزیں ہیں لیکن انہی پردوں کے اندر سے سعادت و کامرانی کا صحت مند چہرہ نمایاں ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ نام سورہ کے اصلی مفہوم سے نہایت گہری مناسبت رکھنے والے ہیں۔

قرآن مجید کی ایک سے زیادہ آیات سے اس خیال کی تائید ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو ابتدائے نبوت ہی میں حکم دے دیا تھا کہ جب یہ لوگ تمھاری بات ماننے سے انکار کردیں تو تم ان سے اپنی علیحدگی کا اعلان کردینا۔ چنانچہ سورۂ شعراء میں ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ۔ (الشعراء۔ ۲۱۴-۲۱۷)

اور اپنے قرابت داروں کو ڈراؤ اور جن مومنین نے تمھاری پیروی کی ہے ان پر شفقت کرو۔ پس اگر وہ (کفار) تمھاری بات نہ مانیں تو ان سے کہہ دو کہ میں تمھارے اعمال سے بری ہوں اور خدائے عزیز و رحیم پر بھروسہ کرو۔

سورۂ یونس میں فرمایا:

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ (یونس۔ ۴۱)

اگر وہ تمھیں جھٹلادیں تو ان سے کہہ دو کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل۔ تم میرے عمل سے بری ہو۔ اور میں تمھارے عمل سے بری ہوں۔

یہ آیت بالکل لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کے ہم معنی ہے۔

سورۂ انبیاء میں فرمایا:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝

اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو میں نے تمھیں عام طور پر خبردار کردیا اور میں نہیں جانتا کہ جس چیز کی تمھیں دھمکی دی جا رہی ہے وہ قریب ہے یا دور ہے۔

پس جب مکہ اور اس کے اطراف کے کفار نے آنحضرت صلعم کی دعوت سے انکار کردیا اور نفرت و عداوت کے جوش میں آپؐ کے قتل کردینے اور آپؐ کو ملک سے نکال دینے پر کمربستہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو برأت اور ہجرت اور جنگ کا حکم دے دیا۔

انبیائے کرام کی دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں قانونِ الٰہی ہمیشہ سے یونہی رہا ہے۔ ایک مدت تک ان کو صبر و تحمل اور انتظارِ فتح و نصرت کا حکم دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے سرکش طبیعتیں کچھ بدلیں اور لوگ دعوت کو قبول کرلیں۔ لیکن جب ان کی طرف سے برابر سرکشی ہی کا اظہار ہوتا رہتا ہے اور یہ سرکشی آہستہ آہستہ پیغمبر کے ارادۂ قتل و اخراج تک متعدی ہونے لگتی ہے تو خدا کا آخری حکم برأت، ہجرت اور جنگ کے اعلان اور انتقام کے تازیانہ کے ساتھ نمودار ہو جاتا ہے۔ یہ وقت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہوتے ہیں۔ ظالم ہلاک ہوتے ہیں اور ان کی جگہ اہل ایمان خدا کی زمین پر قابض ہوتے ہیں۔ یہی بعثت کی اصل غرض ہے۔ اپنی کتاب ملکوت اللہ میں ہم اس بحث کو پوری تفصیل سے لکھ چکے ہیں، بعض اشارات اس کتاب میں بھی ملیں گے۔

۳۔ بعثت کے مراحل: برأت، ہجرت اور غلبہ

کسی قوم میں کسی رسول کی بعثت کا زمانہ اس قوم کے بحران کا زمانہ ہوتا ہے اور اس وقت مندرجہ ذیل تین حالتوں میں سے کوئی نہ کوئی حالت ضرور ظہور میں آجاتی ہے۔

۱۔ پوری قوم اپنی شرارتوں کی پاداش میں ہلاک کردی جاتی ہے۔ صرف ایک مختصر جماعت نیکوکاروں کی بچ رہتی ہے اور یہی جماعت ہلاک ہونے والوں کی جگہ زمین کی وارث بنتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور اکثر انبیاء کی امتوں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔

۲۔ تباہی اور ہلاکت کی آخری منزلوں تک پہنچ کر یک بیک قوم پیغمبر کی دعوت سے چوکنی ہو جاتی ہے اور خدا کی رحمت اس کو اپنے سایہ میں لے لیتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت یوسفؑ اور پیغمبر عالم علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی امتوں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔

۳۔ ایک امت تباہ کردی جاتی ہے اور ایک دوسری امت زندہ کی جاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور پیغمبر عالمؐ کی بعثت میں یہی معاملہ پیش آیا۔ حضرت یعقوبؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی ذریت کے انتقام میں فرعون اور کسریٰ کی قومیں مٹادی گئیں۔ قرآن مجید کی مختلف آیات میں ان حقائق کی طرف اشارات کیے گئے ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے:

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا

یا تو جس چیز کی ہم ان کو دھمکی دے رہے ہیں، اس میں سے کچھ ہم تم کو دکھادیں گے یا یہ ہوگا کہ ہم تم کو وفات دیں گے اور ان کا پلٹنا ہماری طرف ہوگا۔ پھر اللہ ان کے اعمال پر گواہ ہوگا۔

جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۔ (یونس - ۴۷-۴۹)

ہرامت کے لیے ایک رسول ہے۔ جب ان کا رسول آجاتا ہے عدل کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ تمھاری یہ دھمکی کب پوری ہوگی۔ کہہ دو میں تو اپنی جان کے لیے بھی کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ ہرامت کے لیے ایک اجل معین ہے جب ان کی اجل آجائے گی نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹیں گے، نہ ایک گھڑی آگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی بعثت کا اصلی مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو امت صالح اور نیکو کار ہے وہ زندگی اور حیات کے ولولوں سے معمور ہو جائے اور جو قوم راہ حق وہدایت سے ہٹ کر گمراہیوں اور شرارتوں میں پڑ چکی ہے وہ تباہ ہو جائے۔ اور یہ بات حق وباطل کی کشمکش کے لازمی نتیجہ کے طور پر آپ سے آپ ظہور میں آجاتی ہے۔ سرکش اور نافرمان قوموں کا ہمیشہ سے یہ چلن رہا ہے کہ جب ان کے پاس انبیاء آئے ہیں۔ انھوں نے ان کی تکذیب کی ہے۔ قرآن مجید نے ان کی اس حالت کی طرف جابجا اشارات کیے ہیں۔

یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۔ (یٰسٓ - ۳۰)

افسوس ہے بندوں پر، نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر انھوں نے اس کا مذاق اڑایا۔

دوسری جگہ ہے:

كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ۔ (مومنون - ۴۴)

جب کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا اس نے اس کی تکذیب کی۔ پس ہم نے ایک کے پیچھے دوسری کو لگا دیا اور سب کو مٹا کر افسانہ کر دیا۔

پھر صرف جھٹلانے اور مذاق اڑانے ہی پر قناعت نہیں کرتیں، بلکہ جسارت کا ایک قدم اور آگے بڑھا کر پیغمبر کو اس کے وطن سے نکال دینے اور اس کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیتی ہیں۔ اور یہ اس معاملہ کی آخری حد ہے۔ قرآن مجید نے جابجا انبیا کی سرگزشتوں کے ذیل میں اس صورتِ حال کی طرف اشارات کیے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ لِیَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَیْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَی الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۔ (غافر - ۵-۶)

ان سے پہلے نوح کی قوم نے تکذیب کی اور اس کے بعد دوسری جماعتوں نے اور ہرامت نے اپنے رسول کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ اس کو پکڑ لے اور باطل کو لے کر مجادلہ کیا کہ اس کے ذریعہ سے حق کو شکست دے دے۔ پس میں نے ان کو پکڑ لیا پھر دیکھو میرا عذاب کیسا دردناک ہوا اور ایسے ہی تیرے رب کا فرمان کافروں پر صادق ہو چکا ہے کہ وہ جہنم میں پڑیں گے۔

یعنی وہ قانون الٰہی کے بموجب تباہ ہوں گے۔ جب وہ نبی پر حملہ کرنا چاہیں گے تو اللہ کی مدد اپنے تمام نتائج و آثار کے ساتھ نمودار ہو جائے گی۔

لیکن اللہ کی نصرت کے ظہور کا بھی ایک خاص ضابطہ ہے۔ وہ ضابطہ یہ ہے کہ اس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب پیغمبر برأت کا اعلان کر کے کفار کو چھوڑ کر ہجرت کر جاتا ہے۔ نصرتِ الٰہی کے ظہور سے پہلے پیغمبر کے لیے برأت اور ہجرت کے مرحلہ سے گزرنا ناگزیر ہے۔ قرآن مجید نے جابجا اس قانونِ الٰہی کی طرف اشارات کیے ہیں۔ مثلاً:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۭ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (المجادلہ - ۲۰-۲۲)

بے شک جو لوگ اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ ذلیل ہونے والوں میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں غالب رہوں گا اور میرے رسول۔ بیشک اللہ قوی اور غالب ہے۔ تم کوئی ایسی قوم نہیں پا سکتے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہو پھر ان لوگوں سے یارانہ رکھے جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں۔ اگرچہ ان کے باپ ہوں، یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا کنبہ وخاندان کے ہوں، یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی جانب سے روح سے ان کی تائید فرمائی ہے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہی لوگ اللہ کی جماعت ہیں اور یقیناً اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہونے والی ہے۔

انبیاء کے غلبہ کے لیے جو قانونِ الٰہی ہے، آیت میں، پہلے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، پھر اس مرحلۂ برأت کا ذکر فرمایا جس سے گزرنا مومنین کے لیے ناگزیر ہے۔ اس کے بعد اپنے ایک اور قانون کا حوالہ دیا کہ وہ مومنین کو بخشے گا اور ان کو اپنی جماعت میں داخل کرے گا، اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔ اگلی فصلوں میں اس کے دلائل تمھارے سامنے آئیں گے۔

"اَنَا وَرُسُلِیْ" میں "و" بیان کے لیے ہے۔ ان آیات میں بیان کیا ہے کہ غلبہ اللہ کی جماعت کے لیے ہے اور اس جماعت ہی کا غلبہ اللہ اور اس کے رسول کا غلبہ ہے۔ کیونکہ بعض انبیاء کو ان کی اپنی زندگیوں میں غلبہ نہیں حاصل ہوا بلکہ ان کی موت ہجرت کی قائم مقام ہوئی۔ اور ان کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے متبعین کو فروغ دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے معاملہ میں یہی ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کو بھی، ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد کامیابی حاصل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کا غلبہ درحقیقت رسول ہی کے غلبہ کا ثمرہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے دلائل بہت ہیں۔ ایک جگہ فرمایا ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۔ (غافر - ۵۱)

ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ان پر ایمان لائے دنیا کی زندگی میں غالب کریں گے اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔

یہاں بھی ”ر“ بیان کے لیے ہے، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ مومنین کا غلبہ دراصل رسول کا غلبہ ہے اور رسول کا غلبہ اللہ کا غلبہ ہے۔ یہی لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ کی صحیح تاویل ہے اور بعینہٖ یہی حقیقت آیت ذیل میں مضمر ہے۔

فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ
نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا
یُرْجَعُوْنَ ٥ (غافر - ۷۷)

یا تو یہ ہو گا کہ جس چیز کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ ہم تم کو دکھا دیں گے یا تم کو وفات دے دیں گے پس وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ
اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ
الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا
اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ (آل عمران)

یاد کرو، جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ میں تمہاری مدت پوری کرنے والا ہوں اور تم کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ اور ان لوگوں کو جنھوں نے تمہاری پیروی کی ان لوگوں کے اوپر غلبہ دینے والا ہوں جنھوں نے کفر کیا قیامت کے دن تک۔

اسی قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ حق و باطل کے درمیان تفریق کرتا ہے اور جن کو غلبہ و نصرت سے سرفراز فرماتا ہے وہ حِزْبُ اللّٰهِ کے لقب سے ممتاز ہوتے ہیں۔

۴۔ نصرتِ الٰہی کا ظہور ہجرت کے بعد ہوتا ہے

مراحل نبوت میں سے پہلا مرحلہ دعوت اور صبر کا مرحلہ ہے، اس کے بعد برأت و ہجرت کی منزل آتی ہے اور سب سے آخر میں فتح و کامرانی کی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ صرف آنحضرت صلعم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں رہا ہے بلکہ یہ اس کا ایک عام قانون ہے جو تمام انبیاء بلکہ تمام خلق کے لیے یکساں ظاہر ہوا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس کی طرف اشارات ہیں۔ بعض سورتوں میں یہ چیز عمود کی حیثیت رکھتی ہے اور بعض میں اگرچہ عمود کی حیثیت نہیں رکھتی لیکن اس کا ذکر نہایت اہتمام کے ساتھ ہوا ہے۔ سورہ اعراف، سورہ ہود، سورۂ یوسف اور سورۂ نحل میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ ہم صرف بعض جامع آیات کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

وَاِنْ كَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ
لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ
اِلَّا قَلِیْلًا ٥ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ
مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا ٥ (الاسراء - ۷۶، ۷۷)

قریب تھا کہ وہ تجھ کو اس سرزمین سے گھبرا دیں تاکہ تجھ کو اس سے نکال دیں اور اس وقت تیرے بعد وہ بھی اس میں بہت ہی کم رہیں گے۔ یہ ہمارا قانون رہا ہے ان تمام انبیاء کے ساتھ جو تم سے پہلے ہم نے بھیجے اور تم ہمارے قانون میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔

دوسری جگہ فرمایا:

حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ
قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا (یوسف - ۱۱۰)

یہاں تک کہ جب انبیاء مایوس ہو گئے اور کفار نے گمان کر لیا کہ ان کو جو دھمکیاں دی گئی ہیں، جھوٹ ہیں تو ہماری مدد ان کے پاس آ گئی

اس سے معلوم ہوا کہ جب پیغمبر قوم سے ہجرت کر جاتا ہے تو احتساب کی گھڑی آن پہنچتی ہے۔ اس وقت اسلام غالب ہوتا ہے اور کفر ہزیمت اٹھاتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ سورۂ ابراہیم میں فرمایا ہے۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ
بَعْدِهِمْ ۛ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ
اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ
اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ
اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ٥ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ
شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ
یُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوْۤا
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ
تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا
بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ٥ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ
اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ
لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِیَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ وَمَا
لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا
سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَاۤ اٰذَیْتُمُوْنَا ؕ وَ
عَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ٥ وَقَالَ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ
مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤی
اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ
الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ
مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ ٥ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ

کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور وہ قومیں جو ان کے بعد گزریں۔ اور جن کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے لیکن انھوں نے ان کے منہ پر اپنے ہاتھ رکھے اور کہا جو بات تم لے کر آئے ہو ہمیں اس سے انکار ہے۔ اور جس بات کی طرف تم بلاتے ہو ہمیں اس میں شک ہے۔ ان کے رسولوں نے کہا، کیا تمھیں اس اللہ کے بارہ میں شک ہے جو کہ آسمان و زمین کا بنانے والا ہے وہ تمھیں بلا رہا ہے کہ تمھارے گناہ بخش دے اور ایک مقررہ مدت تک مہلت دے۔ انھوں نے کہا، تم تو بس ہماری ہی طرح کے آدمی ہو۔ چاہتے ہو کہ جن معبودوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ان کی پوجا کرنے سے ہمیں روک دو۔ اگر ایسا ہی ہے تو کوئی واضح دلیل پیش کرو۔ ان کے رسولوں نے جواب دیا، ہم تمھاری ہی طرح کے آدمی ہیں۔ لیکن اللہ جس بندہ پر چاہتا ہے اپنا فضل و احسان کرتا ہے اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ تمھیں کوئی معجزہ لا دکھائیں مگر اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ ہی ہے جس پر ایمان رکھنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اور ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اس نے ہماری راہیں ہمیں دکھائی ہیں اور ہم ان ایذاؤں پر صبر کریں گے جو تم ہمیں دے رہے ہو اور اللہ ہی ہے جس پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمھیں اپنے ملک سے ضرور نکال باہر کریں گے یا تم کو ہمارے مذہب میں لوٹنا ہو گا۔ تو ان کے رب نے ان پر وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر ڈالیں گے اور ان کے بعد تمھیں زمین میں آباد کریں گے یہ نتیجہ اس کے لیے ہے جو ہمارے حضور کھڑے ہونے اور ہماری وعید سے

كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۔ (۹-۱۶)

ڈرا، پیغمبروں نے فتح کی دعا مانگی اور ہر سرکش نامراد ہوئے۔ ان کے آگے جہنم ہے وہاں خون اور پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔

انبیاء کے ساتھ جو معاملات پیش آتے ہیں، ان آیات میں ان کی تفصیل کر دی گئی ہے۔ اس خاص معاملہ میں جو سنت الٰہی جاری ہے اس کو سمجھنے کے لیے، ان آیات کو پیش نظر رکھو۔ انبیاء کا دستور یہ رہا ہے کہ وہ توحید کی دعوت دیتے ہیں، توبہ کی منادی کرتے ہیں، مغفرت کا اعلان کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی بندگی اور بیچارگی کا بھی اعلان کرتے ہیں کہ اللہ کے بھروسہ کے سوا کوئی چیز نہیں ہے جس پر ان کا اعتماد ہو۔ کفار اس کے جواب میں ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے ہیں، توحید کا انکار کرتے ہیں، وعدہ قیامت کا مذاق اڑاتے ہیں اور بالآخر پیغمبر کو ملک سے نکال دینے پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ جب یہ سب کچھ ہو لیتا ہے تب پیغمبر دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے، اس وقت اللہ کی مدد ظہور میں آتی ہے اور ظالم ہلاک ہوتے ہیں اور اہل ایمان ان کی جگہ زمین کے وارث ہوتے ہیں۔

۵۔ پیغمبر امت کے لیے امان اور براءت توبہ کی مہلت ہے

اگرچہ سورۂ ابراہیم کی مذکورہ بالا آیات میں براءت و ہجرت کی کوئی تصریح نہیں ہے لیکن لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ..... وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ کے سیاق پر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ یہ مضمون اس کے اندر چھپا ہوا ہے کیونکہ انبیاء کے قصوں میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ظالموں کی بربادی ہجرت کے بعد واقع ہوتی ہے۔ جب تک رسول قوم کے اندر رہتا ہے وہ قوم کے لیے سپر بنا رہتا ہے۔ اس وجہ سے خدا کا قہر و غضب اس وقت تک نمودار نہیں ہوتا۔ لیکن جب وہ قوم سے مایوس ہو جاتا ہے اور خدا کی طرف سے اس کو ہجرت کی اجازت مل جاتی ہے تو وہ براءت کا اعلان کر کے ہجرت کر جاتا ہے۔ یہ توبہ و انابت کی آخری مہلت ہوتی ہے جو قوم کو دی جاتی ہے۔ حضرت یونسؑ اور ان کی قوم کا معاملہ اس کی بہترین مثال ہے۔ پیغمبر کی ہجرت کے بعد اگر قوم توبہ و استغفار کی طرف متوجہ نہیں ہوتی تو فتح اور عذاب کی گھڑی آ جاتی ہے۔ سورۂ انفال میں اس حقیقت کی تصریح ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الانفال۔ ۳۳-۳۴)

اور اللہ کو زیبا نہ تھا کہ تو ان کے اندر موجود ہو اور وہ ان کو سزا دے اور اللہ ان کو کبھی سزا نہ دیتا در آنحالیکہ وہ معافی مانگ رہے ہوں۔ لیکن اب کیا ہے کہ انھیں سزا نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے روک رہے ہیں، باوجودیکہ وہ اس کے متولی نہیں ہیں، اس کے متولی تو صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو پرہیزگار ہوں لیکن ان میں کے اکثر نہیں جانتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفار قریش اس بات کے پہلے سے مستحق ہو چکے تھے کہ بیت اللہ کی تولیت سے معزول کر دیے جائیں اور عذاب الٰہی نمودار ہو کر ان کو تباہ کر دے۔ لیکن جب تک پیغمبر کا مقدس وجود صالحین کی ایک جماعت کے ساتھ

ان کے اندر موجود رہا اس وقت تک وہ عذاب سے محفوظ رہے۔ یہاں تک کہ جب پیغمبر نے ہجرت کی اور ان کو توبہ کی توفیق نہ ہوئی تو اس وقت خدا کا عذاب ظاہر ہوا۔

اس باب میں سب سے زیادہ بلیغ اور پر اثر کلمات حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ہیں۔ انھوں نے جب یروشلم کی عورتوں کو روتے دیکھا، فرمایا۔ اے یروشلم کی بیٹیو! میرے حال پر مت روؤ، اپنے اور اپنی اولاد کے حال پر ماتم کرو۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی دنیا سے ہجرت یہود کی بدبختی کا پیام تھی۔ اور آپ نے اس کی خبر بھی دے دی تھی لیکن یہود متنبہ نہیں ہوئے، بالآخر چالیس برس کی مہلت کے بعد خدا کے عذاب نے ان کو پکڑا۔

سورہ براءت کی ابتدائی چھ آیتیں پڑھو۔ اس سے معلوم ہوگا کہ آخری براءت بھی مہلت اور توبہ کی امید سے خالی نہیں ہوتی۔

۶۔ سورہ کے الفاظ کی شہادت کہ یہ اعلان براءت ہے

اگر اس سورہ کے الفاظ پر غور کرو گے اور جو آیتیں پچھلی فصلوں میں ہم نقل کر چکے ہیں ان کو سامنے رکھو گے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی کہ یہ سورہ، براءت اور ہجرت کی سورہ ہے لیکن مزید توضیح کے لیے اس مضمون کی دوسری آیات بھی ہم یہاں نقل کیے دیتے ہیں تاکہ کسی طرح کا اشتباہ باقی نہ رہ جائے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل لحاظ چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہ اقوال ہیں جو انھوں نے اپنی قوم سے علیحدہ ہوتے وقت فرمائے ہیں۔ اگر وہ اقوال پوری طرح اس سورہ کے الفاظ سے ہم آہنگ ہو جائیں تو بس سمجھ لو کہ دونوں ایک ہی طرح کے حالات میں کہے گئے ہیں۔

(الف) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت کا یہ حصہ قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۔ (ممتحنہ۔ ۴)

تمھارے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا ہم تم سے اور ان چیزوں سے، جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو، بالکل بری ہیں۔ ہم نے تمھارا انکار کیا اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت و نفرت آشکارا ہو گئی یہاں تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان لاؤ۔ ہاں مگر ایک بات اس عام اعلان سے مستثنیٰ حکم رکھتی ہے) ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا کہ میں آپ کے لیے خدا سے بخشائش چاہوں گا اور میں اللہ کی طرف سے آپ کے لیے کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا، پروردگار! ہم نے تیرے اوپر بھروسہ کیا اور تیری طرف جھکے اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

یہ بَدَا بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃُ الخ ہجرت اور جنگ کا اعلان ہے۔ اور رَبَّنَا عَلَیۡکَ تَوَکَّلۡنَا ہجرت کے وقت فتح ونصرت کی دعا ہے۔

(ب) اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے اصنام سے بھی اپنی بے تعلقی کا اعلان کیا اور اصنام سے یہ بے تعلقی کا اعلان کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مشرکین کے تمام اجتماعی ومعاشرتی رشتے انہی فرضی دیوتاؤں کی بدولت قائم تھے۔ اس وجہ سے ان سے علیحدہ ہوجانے کے معنی صرف انہی سے علیحدہ ہوجانے کے نہ تھے بلکہ تمام مشرکین سے یک قلم کٹ جانے کے تھے۔ آگے ہم اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

سورۂ شعراء میں جہاں اس معاملہ کا ذکر آیا ہے وہاں بھی حضرت ابراہیمؑ نے اعلانِ برأت کا یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے،

اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّیۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ (۷۵-۷۷)

دیکھو تو بھی ان چیزوں کو جن کو تم پوجتے رہے ہو۔ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا۔ یہ سب چیزیں تو میری دشمن ہیں مگر اللہ تمام عالم کا پروردگار۔

اظہارِ نفرت وعداوت اور اعلانِ برأت کے لیے یہ اسلوبِ کلام سخت ترین اسلوب تھا۔

(ج) سورۂ زخرف میں فرمایا ہے:

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ فَاِنَّهٗ سَیَهۡدِیۡنِ وَجَعَلَهَا کَلِمَۃًۢ بَاقِیَۃً فِیۡ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ۔ (۲۶-۲۸)

اور یاد کرو، جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم پوجتے ہو۔ ہاں وہ ذات میری معبود ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا ہے۔ بے شک وہ میری رہبری کرے گی اور اس بات کو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ایک باقی رہنے والا کلمہ بنایا تاکہ وہ رجوع کریں۔

"وہ میری رہبری کرے گی" یعنی مقام ہجرت کی طرف۔ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ "فی عقبہٖ" یعنی بعد اس کے کہ وہ تہدید ونصیحت کے طور پر قوم کو چھوڑ کر چلے گئے "تاکہ لوگ شرک سے توبہ کریں۔" عموماً مفسرین نے کلمۃً باقیۃ" سے کلمۂ توحید سمجھا ہے اور بعضوں نے اس سے "مسلم" کا لقب مراد لیا ہے جو انھوں نے اپنے پیروؤں کو بخشا۔ لیکن یہ دونوں تاویلیں بعید معلوم ہوتی ہیں۔ ہمارے نزدیک حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے جو بات کہی تھی "کلمۃ باقیۃ" سے وہی بات مراد ہے۔ "فی عقبہٖ" سے عموماً لوگوں نے اولادِ ابراہیم مراد لی ہے۔ یہ غلطی درحقیقت پہلی غلطی کا نتیجہ ہے۔

(د) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کا اعلان اس وقت فرمایا ہے جب حق تبلیغ پوری طرح ادا کرچکے ہیں۔ سورۂ عنکبوت میں ہے۔

وَاِبۡرٰهِیۡمَ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّتَخۡلُقُوۡنَ اِفۡکًا اِنَّ الَّذِیۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا یَمۡلِکُوۡنَ لَکُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡکُرُوۡا لَهٗ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝ وَاِنۡ تُکَذِّبُوۡا فَقَدۡ کَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِکُمۡ وَمَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ (ثم ذکر الله سنة من استبدال قوم بعد قوم کالجملة المعترضة حتی عاد فقال) فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا اقۡتُلُوۡهُ اَوۡ حَرِّقُوۡهُ فَاَنۡجٰهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا مَّوَدَّۃَ بَیۡنِکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ثُمَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یَکۡفُرُ بَعۡضُکُمۡ بِبَعۡضٍ وَّیَلۡعَنُ بَعۡضُکُمۡ بَعۡضًا وَّمَاۡوٰىکُمُ النَّارُ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ۝ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوۡطٌ وَقَالَ اِنِّیۡ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیۡ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَجَعَلۡنَا فِیۡ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّۃَ وَالۡکِتٰبَ وَاٰتَیۡنٰهُ اَجۡرَهٗ فِی الدُّنۡیَا وَاِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ۔ (۱۶ تا ۱۸ اور ۲۲ تا ۲۷)

اور ابراہیم کو جب اس نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوا بس بتوں کے تھان اور گھڑتے ہو جھوٹی باتیں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ یقیناً یہ تمہاری روزی پر ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ پس اللہ ہی کے پاس اپنی روزی ڈھونڈھو اور اسی کی بندگی کرو۔ اور اس کا شکر ادا کرو، اسی کی طرف پھر جاؤ گے اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو کچھ تعجب نہیں تم سے پہلے بھی قوموں نے جھٹلایا اور رسول پر نہیں ہے مگر کھول کر پہنچا دینا (اس کے بعد قوموں کے عزل ونصب سے متعلق جو سنت الٰہی ہے۔ کلام اس کے بیان کی طرف متوجہ ہوگیا ہے، پھر اصلی سلسلۂ کلام آجاتا ہے) پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہ کہ بولے اس کو مار ڈالو یا جلا دو۔ پھر اس کو بچا لیا اللہ نے آگ سے۔ بلاشبہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے اور ابراہیم نے کہا تم نے اللہ کے سوا جو بتوں کے تھان ٹھہرائے ہیں سو آپس کی دوستی کے لیے دنیا کی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن ایک دوسرے کا منکر ہوجائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور تمہارا ٹھکانا آگ ہوگا۔ اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔ پھر لوط نے اس کی تصدیق کی۔ اور اس نے کہا میں تو وطن چھوڑ کر اپنے رب کی طرف جاتا ہوں بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے، اور دیے ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب اور جاری کیا اس کی ذریت میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ اور بخشا ہم نے اس کا اجر دنیا میں اور بے شک وہ آخرت میں نیکوکاروں میں سے ہوگا۔

(ہ) بعینہٖ یہی دعوت انھوں نے اس وقت بھی بلند کی تھی، جب بت خانہ میں انھوں نے قوم کے تمام بتوں کو توڑ ڈالا تھا۔ سورہ والصّٰفّٰت میں ہے۔

قَالَ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ وَاللّٰهُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ قَالُوا ابۡنُوۡا لَهٗ بُنۡیَانًا فَاَلۡقُوۡهُ فِی الۡجَحِیۡمِ ۝ فَاَرَادُوۡا بِهٖ کَیۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَسۡفَلِیۡنَ ۝ وَقَالَ اِنِّیۡ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ سَیَهۡدِیۡنِ ۝

کہا کیا اپنی ہی گھڑھی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو، حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے تم کو اور ان چیزوں کو جن کو تم بناتے ہو۔ بولے اس کے واسطے ایک گھر بناؤ اور ڈال دو اس کو آگ کے ڈھیر میں۔ انھوں نے اس کے ساتھ داؤ کرنا چاہا لیکن ہم نے انہی کو نیچا دکھایا۔ اس نے کہا میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں وہ میری رہبری فرمائے گا۔ (اس نے پروردگار سے دعا کی) اے رب مجھ کو کوئی نیک بیٹا عطا فرما۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ .... وَبَشَّرْنٰهُ بِإِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

پس ہم نے اس کو ایک حلیم بیٹے کی بشارت دی (یہاں چند آیات میں حضرت اسمٰعیل کا واقعہ بیان کیا اس کے بعد فرمایا) اور ہم نے اس کو خوش خبری دی اسحاق کی جو نیکوکاروں میں سے نبی ہوگا۔

(د) واقعہ کی تفصیل اور ہجرت کا اعلان سورۂ انبیاء میں بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قوم کی مخالفت انتہا کو پہنچ گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (ثم ذكر كيدهم به وخسرانهم ثم قال) وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝

افسوس ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو کیا تم لوگ سمجھتے نہیں؟ بولے اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمھیں کچھ کرنا ہے (چند لفظوں میں مخالفین کی ایک چال اور ان کی ناکامی بیان کی اس کے بعد فرمایا) اور ہم نے اس کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف نجات دی جس کو ہم نے دنیا والوں کے لیے بابرکت بنایا اور ہم نے اس کو عنایت کیے اسحاق اور یعقوب بطور عطیہ اور ہم نے ہر ایک کو نیکوکاروں میں سے بنایا۔

ان آیات پر غور کرو، ان سے حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کے وقت کی تعیین بھی ہو جائے گی۔ کیونکہ ہجرت کے بعد ہی حضرت ابراہیمؑ کو اولاد کی بشارت سنائی گئی ہے۔ ہجرت سے پہلے کی حالت کے متعلق معلوم ہے کہ وہ تکلیف اور پریشانی کی حالت تھی ان دونوں حالتوں کے بیچ میں جو نقطہ حد فاصل نظر آئے اسی کو ہجرت کا زمانہ سمجھنا چاہیے۔ سورۂ مریم میں یہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا ہے

قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِيْ يٰإِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ إِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَأَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰى أَلَّا أَكُوْنَ بِدُعَاءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝

باپ نے کہا ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر کے چھوڑوں گا۔ اور تو بالکل مجھ سے الگ ہو جا۔ ابراہیم نے کہا اچھا میرا سلام قبول ہو۔ اب میں پروردگار سے آپ کی بخشائش کی دعا کروں گا، وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں نے آپ سب کو چھوڑا اور انھیں بھی، جنھیں آپ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں۔ امید ہے اپنے پروردگار کو پکار کے محروم نہیں رہوں گا اور ہم نے اس کو عنایت کیے اسحٰق و یعقوب اور ہر ایک کو نبی بنایا۔

حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کا یہ معاملہ بالکل متفق علیہ ہے۔ اگرچہ یہود نے واقعہ کی تفصیلات میں بعض تبدیلیاں کر دی ہیں، لیکن جہاں تک نفس واقعہ کا تعلق ہے اس سے ان کو بھی انکار نہیں ہے۔ پیدائش باب ۱۲ میں ہے

"اور خداوند نے ابراہیمؑ سے کہا کہ تو اپنے وطن اور ناتے داروں کے بیچ سے اور اپنے باپ کے گھر سے نکل کر — ملک میں جا جو میں تجھے

دکھاؤں گا۔ اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور برکت دوں گا اور تیرا نام سرفراز کروں گا۔ سو تو باعث برکت ہو۔

چونکہ واقعہ مشہور و معلوم تھا اس وجہ سے قرآن مجید نے محض اس کی یاد دہانی کر دینا کافی سمجھا، زیادہ تفصیل کو راہ نہیں دی۔ یہ تمام آیات ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ ان کو یک جا کر کے دیکھنے کے بعد ماحصل یہ نکلتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مدت تک قوم کو وعظ و نصیحت کرنے میں مشغول رہے۔ انذار و تبشیر کا کوئی پہلو انھوں نے اٹھا نہ رکھا۔ تلقین و دعوت کی پوری طاقت صرف کر ڈالی لیکن قوم ٹس سے مس نہ ہوئی۔ بالآخر وہ مایوس ہو گئے اور چاہا کہ ایک مرتبہ لوگوں کو کھول کر دکھا دیں کہ جن بتوں کو لوگ پوج رہے ہیں وہ بالکل بے جان و بے اختیار ہیں۔ نفع و نقصان کی کوئی بات بھی اس کے بس میں نہیں ہے۔ تنبیہ اور اتمام حجت کی یہ آخری شکل تھی، جو انھوں نے اختیار کی اور نتیجہ وہی نکلا جو ان کا خیال تھا۔ انھوں نے جب تمام بت توڑ پھوڑ کے رکھ دیے تو قوم کو تنبہ ہوا کہ درحقیقت یہ ہماری انتہائی نادانی تھی کہ ہم ان بے جان پتھروں کی پرستش کر رہے تھے جو خود اپنی حفاظت سے قاصر ہیں۔ اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ملامت کی لیکن اس ملامت سے ان کی حمیت جاہلیت پھر بھڑک اٹھی اور وہ چلا اٹھے کہ اس کو آگ میں جھونک دو اور اپنے معبودوں کو بچاؤ۔ اس کے علاوہ انھوں نے سنگسار کر دینے کی بھی دھمکی دی۔ بس اس کے بعد فریضۂ تبلیغ و دعوت کی آخری منزل نمودار ہو گئی یعنی ہجرت کا حکم آ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام آخری دوٹوک بات کہہ کر قوم سے علیحدہ ہو گئے۔

۷- لفظ "کافرون" سے خطاب دلیل برائت ہے

اس سورہ کے علاوہ پورے قرآن میں، خدا نے کہیں منکرین قریش کو دعوت کے اس دور میں "کافرون" کے لفظ سے مخاطب نہیں کیا ہے۔ اس لفظ سے اسی وقت خطاب کیا ہے جب انھوں نے پیغمبر صلعم کو قبول دعوت سے بالکل مایوس کر دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ وہ اپنے کفر سے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ نبی کی ہجرت کے لیے کفار کی طرف سے اس بات کا واضح ہو جانا ضروری تھا۔ قوم کی طرف سے اس قسم کے مایوس کن اعلان کے بغیر نبی قوم سے علیحدگی کا اعلان نہیں کرتا۔ تیسری فصل میں یہ آیت گزر چکی ہے۔ فَرَدُّوْا أَيْدِيَهُمْ فِيْ أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهٖ (پس انھوں نے اپنے ہاتھ ان کے منہ میں دے دیے اور کہا جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم نے اس کا انکار کیا) یہ ان منکرین کا قول ہے جو جوشِ مخالفت میں انکار اور سرکشی کی آخری حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی مثال سورۂ سبا میں بھی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَّأَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ (۳۴-۳۵)

ہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں کوئی ہوشیار کرنے والا مگر وہاں کے دولت مندوں نے کہا کہ جو چیز تم لے کر آئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور کہا ہم مال و اولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور ہم پر عذاب نہیں آنے کا۔

سورۂ قصص میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کا قول بیان ہوا ہے۔

قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا وَقَالُوْا إِنَّا

کہا دو جادوگر ہیں جنھوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا ہے اور

زُخْرُفٍ كَافِرُونَ ۝ (۴۸)

کہا ہم ہر ایک کا انکار کرتے ہیں۔

سورۂ زخرف میں انہی مترفین کا حال بیان ہوا ہے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ۔ (۳۰)

اور جب تک ان کے پاس حق آیا انھوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔

اسی سورہ میں فرمایا:

وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ ۝ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۔ (۲۳-۲۴)

اور ایسے ہی ہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں کوئی ہوشیار کرنے والا مگر وہاں کے دولت مندوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔ پیغمبر نے کہا کیا اس صورت میں بھی جب کہ میں اس سے زیادہ ہدایت کی چیز لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے بولے جو چیز تم لے کر آئے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔

یعنی چاہے وہ ہمارے طریقہ سے زیادہ ہدایت بخش ہو یا کم، ہم اپنے باپ دادا کے رستہ سے نہیں ہٹ سکتے۔ اور جو کچھ تم لے آئے ہو ہم کو اس سے علانیہ انکار ہے۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ لفظ 'کافرون' سے خطاب کا مقصود ہجو و تحقیر نہیں ہے، جیسا کہ امام رازیؒ نے سمجھا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو لوگ انکار و سرکشی کی اس حد کو پہنچ جاتے ہیں کہ سچائی کی ایک بات بھی سننے کی تاب نہیں لاتے، ان سے ایمان و ہدایت کی توقع کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اب ان کے لیے صرف ایک ہی چیز باقی رہ جاتی ہے کہ عذاب الٰہی نمودار ہو۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ سرکشوں کا حال ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے۔ انھوں نے اپنی رعایا کے حقوق اس وقت تک تسلیم نہیں کیے ہیں جب تک تلوار نے ان کو مجبور نہیں کر دیا ہے۔ اس وجہ سے انبیاء کی سنت ایسے سرکشوں کے معاملہ میں یہ رہی ہے کہ اتمام حجت کے بعد، جب وہ ان سے مایوس ہو گئے ہیں اور توبہ و انابت کی کوئی امید باقی نہیں رہ گئی ہے تو وہ ان کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے ہیں۔ قوم کے اندر رہتے ہوئے تلوار اٹھانا، جیسا کہ ہم اپنی کتاب ملکوت اللہ میں مفصل لکھ چکے ہیں، نظام معاشرت کی بربادی کا سبب ہوتا ہے اس وجہ سے انبیاء کرام نے تلوار اٹھانے کی بجائے علیحدگی کی روش اختیار فرمائی۔ قرآن مجید اور دوسرے آسمانی صحیفوں میں اس کے دلائل بکثرت ہیں، مثلاً فرمایا:

فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔

پس جو ہمارے ذکر سے پھر گیا اور صرف دنیا ہی کی زندگی پر قانع ہو گیا اس سے اعراض کرو۔ ان کے علم کی رسائی یہیں تک ہے۔ (النجم ۲۹-۳۰)

۸- آیات (۲-۳) اعلان برأت ہیں

تمدن کے قدیم دور میں، قوموں کے تمام اجتماعی رشتے محض ان کے بتوں کے تعلق سے قائم ہوتے تھے۔ مختلف قبائل مختلف

بتوں کی پوجا کرتے تھے اور جب ان میں سے کوئی قبیلہ دوسرے قبیلہ کے ساتھ رشتہ اتحاد قائم کرنا چاہتا تو اپنے بت کے ساتھ اس قبیلہ کے بت کی پرستش شروع کر دیتا۔ اس طرح جس سلطنت کے زیر سایہ جتنی قومیں ہوتی تھیں، اتنے ہی اس کے اصنام بھی ہو جاتے تھے۔ قدیم زمانہ میں قومی مصالح میں سب سے زیادہ اہم حیثیت اسی بت پرستی کو حاصل تھی۔ اجتماع و اتحاد کی تمام عمارت اسی بنیاد پر قائم ہوتی تھی۔ اس وجہ سے اس میں جتنی ہی توسیع ہو وہ عین مطلوب تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت جہاں بیان ہوئی ہے وہاں اس کی طرف اشارہ ہے۔

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ (العنکبوت - ۲۵)

تم تو اللہ کے سوا یہی تھان بناتے ہو، آپس کی دوستی کے لیے دنیا کی زندگی میں، پھر قیامت کے دن تم میں سے بعض، بعض کا انکار کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا اور تمھارا ٹھکانا جہنم ہو گا اور تمھارے لیے کوئی مددگاروں میں سے نہ ہو گا۔

روم اور ہندوستان کی بت پرست قوموں کی تاریخ بھی اس حقیقت کی شہادت دیتی ہے اس وجہ سے

لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ۔

نہ میں پوجتا ہوں جسے تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو جسے میں پوجتا ہوں۔

کا اعلان کوئی معمولی اعلان نہیں ہے۔ یہ آپس کے تمام اجتماعی رشتوں کے خاتمہ کا اعلان ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تم سے علیحدہ ہیں اور تم ہم سے علیحدہ ہو اور ہمارے اور تمھارے درمیان اب کسی قسم کا تعلق باقی نہیں رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا اعلان اسی قسم کا تھا (فصل ۵ میں الف، ب، ج دیکھو)

حسن موقع کے لحاظ سے "تَعْبُدُونَ" کی جگہ "أَنْتُمْ عَابِدُونَ" فرمایا، لیکن "لَا أَعْبُدُ" قرینہ دلیل ہے کہ یہ حال کے مفہوم میں ہے۔ ابن جریر نے ایسا ہی سمجھا ہے۔

۹- آیات (۴-۵) تاکید برأت ہیں

بلاغت کا تقاضا ہے کہ اعلان برأت نہایت واضح اور مؤکد لفظوں میں کیا جائے اور یہ بلاغت قرآن کی خصوصیت ہے کہ اس میں کہیں بے فائدہ تکرار نہیں پائی جاتی۔ وہ ہر تکرار کے کسی جدید فائدہ کا ضرور اضافہ کر دیتا ہے۔ قصص و واقعات کے بیان میں اس کے شواہد بکثرت ملیں گے۔ پس لفظ "عَابِدُونَ" مستقبل کی تمام امیدوں کا خاتمہ کر رہا ہے اور "عَبَدْتُمْ" میں ان کے دین آبائی سے بیزاری کا اعلان ہے اور مقابلۃً اس میں زیادہ شدت اور نفرت کا اظہار ہے۔ اس کی مثال سورۂ انبیاء میں ہے۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ۝ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَ

جب انھوں (ابراہیمؑ) نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن کی پرستش پر تم جمے بیٹھے ہو؟ وہ بولے ہم نے اپنے بڑوں کو ان ہی کی پرستش کرتے پایا ہے (ابراہیمؑ نے) کہا کہ

اٰبَآؤُكُمْ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ه (الانبیاء ۵۲-۵۴) بیشک تم اور تمہارے بڑے سب صریح گمراہی میں پڑے رہے

دوسری جگہ فرمایا:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ه فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ه

بھلا دیکھو تو جن کو تم پوجتے رہے ہو، تم اور تمہارے اگلے آباؤ اجداد، بے شک یہ میرے دشمن ہیں۔ مگر اللہ تمام عالم کا پروردگار۔

یعنی نہ ہم تمہارے اور تمہارے آباؤ اجداد کے بتوں کو پوج سکتے ہیں اور نہ تم ہمارے خدا کو پوجو گے۔

۱۰۔ کلمۂ باقیہ

آخری آیت "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ" خاتمہ کا ایک جامع کلمہ ہے جس نے اپنے اندر اوپر کی تمام باتیں سمیٹ لی ہیں۔ "لَكُمْ دِيْنُكُمْ"، "لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" اور "وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ" کے قائم مقام ہے اور "وَلِىَ دِيْنِ"، "وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ" کے برابر ہے اور چونکہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ اس وجہ سے یہ کسی ایک زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تینوں زمانوں پر حاوی ہو گیا ہے۔ اختصار و ایجاز نے اس کو ایک ضرب المثل اور کلمہ باقیہ کی شکل میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّنِىْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِىْ فَطَرَنِىْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ه وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِىْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ

بے شک میں بری ہوں ان چیزوں سے جن کو تم پوجتے ہو مگر وہ ذات جس نے مجھ کو پیدا کیا بے شک وہ میری رہبری فرمائے گی۔ اللہ نے اس کو ایک باقی رہنے والا کلمہ بنایا اس کے بعد تاکہ وہ رجوع کریں۔

ہجرت سے پہلے پیغمبروں کی طرف سے اسی قسم کے اعلانات ہوئے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اعلان فرمایا۔

اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِىْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (۵۵-ھود)

میں خدا کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ خدا کے سوا جو تم دوسرے شریک بناتے ہو، میں ان سے بالکل بیزار ہوں، پس تم سب مل کر میرے ساتھ اپنا داؤ کر دیکھو اور پھر مجھ کو مہلت نہ دو۔

اسی سنت کے مطابق آنحضرت صلعم کی زبان پر بھی یہ یادگار اعلان جاری ہوا۔ اور آپؐ کی ہجرت کے بعد ایک مستقل خلش بن کر قریش کے دلوں میں ٹنگ گیا۔ اگرچہ جہاں تک زبانوں کا تعلق ہے اس کا انکار اس اعلان کے بعد بھی باقی رہا لیکن دلوں نے اس بات کو محسوس کرنا شروع کر دیا کہ آپؐ ہی کا دین خدائی دین ہے۔ اپنے زمانہ قیام مکہ میں آپؐ نے وعدہ و وعید کے سارے جتن کر ڈالے نصیحت کے کلمات اور پند و موعظت کے ارشادات سے قریش کو اچھی طرح باخبر کر دیا۔ لیکن جب انھوں نے ان باتوں پر کان نہیں دھرا تو آپؐ نے ان کو آخری مرتبہ جھنجھوڑا اور پھر ان کو چھوڑ کر چلے گئے کہ ممکن ہے یہ آخری تدبیر کچھ کارگر ہو اور اس طرح وہ خدا کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ ہجرت کے بعد آپؐ کی قوم میں سے ایک بڑی جماعت نے آپؐ کی دعوت قبول کر لی۔ صرف وہی لوگ انکار پر قائم رہے جن کے لیے عذاب مقدر ہو چکا تھا۔ وہ بالآخر قتل ہوئے یا ہلاک ہوئے۔

اسی اصول کے مطابق آپؐ نے فتح مکہ کے وقت بھی ایک سخت اور آخری تبلیغ فرمائی۔ یعنی آپؐ کے حکم سے اہل مکہ کو

سورۂ برأت سنائی گئی۔ اس اعلان نے اہل عرب کو آپؐ کی دعوت کی طرف متوجہ کیا اور ان میں سے ایک بڑی جماعت کو توبہ کی توفیق ہوئی۔ چنانچہ اسی وجہ سے سورۂ برأت کو سورۂ توبہ بھی کہتے ہیں۔ اور یہی نکتہ ہے کہ سورۂ کافرون بھی ایک ایسی سورہ کے ساتھ رکھی گئی ہے جس میں ایک عام توبہ اور لوگوں کے فوج در فوج خدا کے دین میں داخل ہونے کی بشارت ہے۔ اس کی تفصیل بارھویں فصل میں آئے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہجرت اور عذاب بھی منجملہ اسباب ہدایت کے لیے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ه (سجدہ-۲۱)

اور قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے ہم ان کو ایک ایسے عذاب کا مزہ بھی ضرور چکھائیں گے جو (اس دنیا میں ان پر) عنقریب نازل ہوگا تاکہ یہ لوگ ہمارے طرف رجوع کریں۔

۱۱۔ ہجرت کے جنگ و برائت ہونے کا ثبوت احادیث سے

پانچویں فصل میں، آیات قرآن کی روشنی میں ہم دکھا چکے ہیں کہ ہجرت جنگ اور برأت کا اعلان ہے۔ اب بعض روایات پر غور کرو جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قریش نے ہجرت کو جنگ کا پیش خیمہ سمجھا، اور اسی وقت سے جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے۔

ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب انصار کے ۰، مرد اور ۲ عورتیں آنحضرت صلعم سے بیعت کے لیے آئے تو قبیلۂ خزرج کے ایک سردار عباس بن عبادہ نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اے معشر خزرج! کچھ خبر ہے، ان سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو! لوگوں نے کہا ہاں! بولے ان سے تمام احمر و اسود کی جنگ پر بیعت کر رہے ہو۔ پس اگر تم کو گمان ہو کہ جب تمہارے مال پر تباہی آئے گی اور تمہارے سرداروں کو قتل و ہلاکت سے دوچار ہونا پڑے گا تو تم ان کو چھوڑ دو گے تو بہتر ہے ابھی سے چھوڑ دو، کیونکہ اگر بیعت کے بعد تم نے ایسا کیا تو خدا کی قسم یہ دنیا و آخرت دونوں کی رسوائی ہوگی الخ

ایک دوسری روایت کعب بن مالک سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب صبح ہوئی تو قریش کے سرداروں کی ایک جماعت ہمارے پاس آئی اور انھوں نے ہم کو مخاطب کر کے کہا کہ اے معشر خزرج! ہم کو معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ ان کے پاس (آنحضرت صلعم) اس لیے آئے ہیں کہ ان کو اپنے ساتھ لے جائیں اور ہم سے لڑائی پر آپ لوگ ان سے بیعت کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم، اگر ان کے اور ہمارے درمیان جنگ چھڑ گئی تو تم سے زیادہ عرب کا کوئی قبیلہ ہمارے نزدیک مبغوض نہ ہوگا الخ

اسی طرح ایک روایت ہے کہ براء بن معرور انصاری آنحضرت صلعم کا ہاتھ پکڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے، اور بیعت کرنا چاہتے تھے کہ ابوالہیثم، جو یہود کے حلیف تھے، بات کاٹ کر بولے کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں اور یہود میں معاہدہ ہے، اب ہم آپ کے لیے اس کو ختم کر رہے ہیں، مبادا کہ ہم ایسا کر بیٹھیں اور جب آپ کو اللہ غلبہ دے تو آپ ہم کو چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس چلے جائیں۔ آنحضرت صلعم یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا، "تمھارا خون میرا خون ہے اور تمہارے خون کا ضائع ہونا میرے خون کا ضائع ہونا ہے، تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں، جس سے تم جنگ کرو گے میں اس سے جنگ کروں گا، جس سے صلح کرو گے میں اس سے صلح کروں گا۔"

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ہجرت درحقیقت تمام کفار و مشرکین اور تمام یہود سے اعلان جنگ تھی۔ اس دن ایک

نئی امت ظہور میں آگئی اور آنحضرت صلعم کو ایک مستقر بھی حاصل ہوگیا اور ایک چھوٹی سی جماعت کی تائید و رفاقت بھی حاصل ہوگئی جس سے ایک حد تک وہ شرطیں پوری ہوگئیں جن کے بغیر جنگ ناجائز ہے (ان مباحث کے لیے ہماری کتاب الہجرۃ والحرب[1] دیکھو)

لیکن مدینہ والوں کے ساتھ معاملہ ہو جانے کے بعد بھی آنحضرت صلعم مکہ ہی میں مقیم رہے اور اعداء کی تمام ایذا رسانیاں جھیلتے رہے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے آپؐ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت ہجرت کی شرط پوری ہوگئی اور قوموں کا انبیاء کے ساتھ ہمیشہ سے جو معاملہ رہا ہے وہ ظاہر ہوگیا، (فصل (۱) و (۲) میں پڑھ چکے ہو کہ نبی کو پہلے ہر قسم کی مخالفتوں کو برداشت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب معاملہ بالکل آخری حد کو پہنچ جاتا ہے تب پیغمبر ہجرت فرماتا ہے۔ لیکن ہجرت فرماتا ہے، بھاگتا نہیں۔ پہلے برأت کا اعلان کرتا ہے، اپنے شیرازہ کو مجتمع کرتا ہے، خدا کی مدد کے بھروسہ پر پوری طرح مطمئن ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقت معین ہو جاتا ہے تو وہ اس طرح بے خوف و خطر روانہ ہو جاتا ہے گویا دنیا کی کوئی قوت بھی اس کو گزند نہیں پہنچا سکتی۔

ان اشارات کو ہم پوری تفصیل کے ساتھ کتاب الہجرۃ میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کا اپنی قوم کو چھوڑ کر چلا جانا فرار نہیں ہے بلکہ ہجرت و برأت تمام انبیاء کی سنت رہی ہے۔

۱۲۔ سورہ کا تعلق مابعد سے

چونکہ یہ سورہ جنگ کی سورہ تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ سورہ النصر کو رکھا کہ یہ واضح ہو سکے کہ جنگ اور فتح دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ قرآن مجید میں ان دونوں کے ربط کی مثالیں بہت ہیں۔ چوتھی فصل میں اس کے بعض اشارات گزر چکے ہیں۔ اس اسلوب کو اسلوب[2] القرآن کی بحث وصل میں تفصیل کے ساتھ میں لکھ چکا ہوں۔

اس فتح و غلبہ کا اصل مقصود یہ تھا کہ مسجد حرام صرف خدائے واحد کی طاعت و عبادت کا مرکز بن جائے اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد بت پرستی کی نجاست سے پاک ہو کر اپنے حقیقی رب سے وابستہ ہو جائے۔ اس اصولی حقیقت کو اچھی طرح یاد رکھو۔ اس سے بعض اہم مباحث کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اس تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ ہجرت در اصل وصل کا دیباچہ اور جنگ در حقیقت صلح اور توبہ کا پیش خیمہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم کی بعثت، ذریت ابراہیم علیہ السلام کے لیے سراپا خیر و برکت تھی۔ عذاب اور نقمت نہ تھی اس پر ایک اجمالی بحث سورۂ یوسف کی تفسیر میں بھی ملے گی۔

---

[1] مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس عنوان پر کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے اور اس سے متعلق کچھ اصول بطور یادداشت ان کے مسودات میں موجود بھی ہیں لیکن وہ اس کے لیے وقت نہ نکال سکے۔

[2] معلوم ہوتا ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اسالیب القرآن" کا نام "اسلوب القرآن" ہی تجویز فرمایا تھا۔ (مترجم)